پاکستان میں کئی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ الحمدللہ ہماری تحریک رواں دواں ہے۔ قادیانیوں کی موجودہ شرانگیزی میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے مگر تحفظ ختم نبوت کا دم بھرنے والے ہمارے علماء کرام ہاتھ پر ہاتھ رکھے کسی معجزہ کے منتظر ہیں۔ معلوم نہیں ہماری غیرت وحمیت کب جاگے گی؟ نبی آخرالزماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مر مٹنے کا دعویٰ کر کے سیاست کی روٹی سینکنے والے عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہے، ان کی بولتی بند ہے۔ ان عاشقان کی بے حسی کا یہی حشر رہا تو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام و پاکستان کے بدترین دشمن قادیانی اپنے زہریلے تیر سے ہمارے جسم وروح کو چھلنی کرتے رہیں گے اور اس اہم فریضہ سے ہماری عدم توجہی و بے اعتنائی پر زمانہ ہنسے گا۔ ایک دور تھا عقیدہ تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والی جماعتیں کم تھیں لیکن ان حضرات نے اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا۔ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا الگ بات ہے اور ذمہ داری الگ بات ہے، عقیدہ پر ہم قائم ہیں، لیکن ذمہ داری کے ضمن میں ہم اپنا کردار خوش اسلوبی سے ادا نہیں کر رہے ہیں۔ راقم قادیانیوں کی ایک اور گستاخی اور شرانگیزی کا پردہ فاش کرنے سے قبل قارئین کو بتادے کہ امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت جن کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اور محترم لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے معزز ومکرم ہیں۔ اس مقام ومرتبہ تک نہ کوئی پہنچ سکا ہے اور نہ ہی کوئی پہنچ سکتا ہے۔

> ”صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے بعد آنے والے تمام ہی (طبقوں) سے افضل ہیں۔“ ان اصحاب رسول اللہ میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”اس امت میں نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات سے متعلق یہ روایت کافی مشہور ہے کہ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: یا رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت غمزدہ ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں تک آواز نہیں پہنچ سکے گی یا لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار بھی یہی حکم دیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں اور کہنے لگیں کہ تم ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بہت غمزدہ ہیں۔ اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے۔ اس لیے آپ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیتے تو ٹھیک تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تجویز کو دہرایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور کہا تم سب کی سب یوسف کی ساتھی ہو (برادران

یوسف علیہ السلام) پھر تیسری مرتبہ فرمایا: ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت موجود ہے'' ہم لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر یا مقابل کسی اور کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد دیگر صحابہ کرام۔ یہی عقیدہ امت مسلمہ کا ہے۔ مگر قادیانیوں کی جرأت دیکھیں کہ انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھیوں کو صحابہ لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں قادیانیوں کی سالانہ تقریب سے متعلق جو اشتہار شائع ہوا ہے اس کو بطور نمونہ دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ اشتہار ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۲۰۰۹ء کو قادیان میں ہونے والے پروگرام کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ پروگرام کی فہرست ۸ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

''سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وسیدنا حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ)''

قادیانیوں کی اس ذلیل ترین حرکت پر کسی بھی اہل ایمان کا خون کھول اُٹھے گا۔ مرزائیوں کے باطل عقیدہ سے عامۃ المسلمین کو باخبر نہ کرنا اور اسے یوں ہی نظر انداز کر دینا اپنی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ حکیم نورالدین کا نام لکھ کر قادیانیوں نے جو پیغام دیا ہے اس پر تمام امت مسلمہ کے علماء و دانشوران کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کیونکہ بسا اوقات جن باتوں کو ہم مصلحت سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ باتیں کبھی کبھی خطرناک مسئلہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام و مرتبہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود نبی کریم کا ارشاد ہے:

> ''جو میرے صحابہ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت کرے اور یہ ایمان والوں کے لیے ممکن نہیں کہ ان سے محبت نہ کرے۔''

قادیانی اپنے باطل عقیدہ کے تحت اپنے دین و مذہب کا نام الگ رکھ لیں اور دیگر مذاہب کی طرح اس گمراہ کن مذہب (فتنہ قادیانی) کی تشہیر کریں تو کسی کو بھی اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا مگر اسلامی اصطلاحات کا استعمال قادیانیت کی تبلیغ کے لیے ہو یہ قطعی ناقابل برداشت ہے۔ چونکہ قادیانی پاکستان اور مسلم امہ دونوں کے غدار ہیں۔ اس لیے ہم مرزائیوں کی اسلام اور انسانیت مخالف سرگرمیوں کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

اقبال اور قادیانیت

ڈاکٹر ایوب صابر

انسان کے اختیار میں سب کچھ نہیں ہے۔ کبھی اس کی آنکھ کا پردہ پرکاہ کی طرح بے نور ہو سکتا ہے اور کبھی توفیقِ ایزدی کے باعث وہ اِس جہان اور اُس جہان پر بیک وقت نگاہ ڈال سکتا ہے۔ ''زبورِ عجم'' کی ابتدا میں اقبال نے یہ نکتہ بیان کیا ہے:

می شود پردۂ چشم پرِ کاہے گاہے
دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے

اقبال ہندی وطنی قومیت کے علم بردار تھے اور چند برسوں کے دوران اس کی حمایت اور اس کے فروغ کے لیے متعدد پر تاثیر نظمیں لکھی تھیں لیکن جلد ہی اسے ترک کر کے اسلامی قومیت کے نقیب بن گئے۔ اسی طرح وحدت الوجود کے خلافِ اسلام نظریے کو ترک کرنے کے لیے اقبال نے زیادہ وقت نہ لیا لیکن قادیانیت کا مسئلہ مدتوں تک ان کی خاص توجہ کا مرکز نہ بن سکا اور ایک صحیح فیصلے تک پہنچنے کے لیے انھوں نے بہت عرصہ لیا۔ اگرچہ اقبال ابتدا سے عقیدۂ ختمِ نبوت اور تصوّرِ جہاد کے علم بردار تھے اور مسیح موعود بلکہ مجدد کے تصوّر کو بھی نہیں مانتے تھے لیکن قادیانیت کا بنظرِ غائر مطالعہ نہ کرنے کے سبب عرصے تک مرزائیوں کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھتے رہے۔ اور جب اس مسئلے پر غور کرنے کے اسباب جمع ہوئے تو اقبال نے مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ اب اقبال پر دو طرح کے اعتراضات وارد ہوئے۔ بعض اقبال مخالف مسلمانوں اور غیر مسلموں نے اس بات کو اچھالا کہ اقبال قادیانیت کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ دوسری طرف مرزائیوں نے اعتراض کیا کہ اقبال نے ۱۹۳۵ء میں انھیں غیر مسلم کیوں قرار دیا جبکہ اس سے پہلے ان کا قادیانیت سے ''گہرا تعلق'' تھا اور ۱۹۳۵ء تک وہ انھیں مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے تھے۔

کشمیر کمیٹی ۱۹۳۱ء میں قائم ہوئی۔ اس کے سربراہ امامِ جماعتِ احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ اقبال کو اس کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے مرزائیوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تو وہ ان کے مخصوص رویے، عقیدے اور عزائم سے واقف ہوئے۔ احرار اور قادیان کی باہمی آویزش کے باعث قادیانی مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا، چنانچہ اس وجہ سے بھی اقبال کو اس طرف توجہ مبذول کرنا پڑی۔ اقبال نے قادیانیت کا بنظرِ غائر جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ مرزائی مسلمان نہیں ہیں اور جب گورنر پنجاب نے انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں مسلمانوں کے باہمی افتراق اور قیادت کے فقدان پر افسوس ظاہر کیا اور مسلمانوں کو رواداری کا مشورہ دیا تو مئی ۱۹۳۵ء میں اقبال کا قادیانیت کے خلاف پہلا مضمون شائع ہوا۔ اِس مضمون کا منظرِ عام پر آنا تھا کہ قادیانیوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ اقبال شکنی کی کوششوں میں لگ گئے۔

اس مضمون میں اقبال نے وضاحت کی کہ مسلمانوں کی وحدت صرف دینی تصور پر استوار ہے اور مسلم معاشرے کو ختمِ نبوت کا عقیدہ ہی سالمیت کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اگر ان میں کوئی ایسا گروہ پیدا ہو جو اپنی اساس ایک نئی نبوت پر رکھے اور بزعمِ خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لیے خطرہ تصور کرے گا۔ اگر کسی قوم کی وحدت کو خطرہ لاحق ہو تو اس کے لیے اس کے سوا اور چارۂ کار نہیں رہتا کہ وہ معاندانہ قوتوں کے خلاف اپنی مدافعت کرے۔ پھر کیا یہ مناسب ہے کہ اصل جماعت کو رواداری کی تلقین کی جائے جبکہ اس کی وحدت خطرے میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پوری آزادی ہو اگر چہ وہ تبلیغ جھوٹ اور دشنام سے لبریز ہو۔

چند روز بعد اقبال نے لکھا کہ میں نے حکومت کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ وہ قادیانی تحریک کا بہ جبر انسداد کرے۔ میری رائے میں حکومت کے لیے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا اور مسلمان ان سے ویسی ہی رواداری سے کام لے گا جیسے وہ باقی مذاہب کے معاملے میں اختیار کرتا ہے۔[۲]

اس سے پہلے ۱۹۳۴ء میں مجلس احرارِ اسلام کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی ''آل انڈیا احرار کانفرنس'' میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ہو چکا تھا۔[۳] علامہ اقبال کی تجویز ہر اعتبار سے مبنی بر انصاف تھی لیکن اس کا سخت ردِ عمل ہوا جو ابھی تک جاری ہے۔ مرزائی خود تو مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں نے انھیں غیر مسلم قرار دیا تو انھیں یہ بات ناگوار گزری، چنانچہ علامہ اقبال پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس ضمن میں متعدد مضامین روزنامہ ''الفضل'' میں شائع ہوئے۔ قادیانی جماعت کے امام نے بنیادی اعتراض یہ اٹھایا کہ ۱۹۳۵ء سے پہلے ڈاکٹر سر اقبال احمدیوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اب کیوں انھیں محسوس ہوا کہ احمدیوں کو الگ کر دینا چاہیے۔ لاہوری جماعت کے سربراہ نے ایک انگریزی رسالہ شائع کیا جس میں یہ موقف اختیار کیا کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ موصوف نے اقبال کے اس بیان پر سخت تنقید کی کہ امام منتظر کا تصور مجوسی مذاہب کے ساتھ مخصوص ہے۔[۴] بقول سید نذیر نیازی ہفتہ وار اخبار ''لائٹ'' نے یہ رائے ظاہر کی کہ ''یہ جو حضرتِ علامہ کہتے ہیں کہ بابِ نبوت مسدود ہے یہ دراصل مغرب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے...... اقبال عقل کو نبوت پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ مغرب زدگی نہیں تو اور کیا ہے؟[۵] یہ اعتراضات علامہ اقبال کے پانچویں خطبے پر تھے۔ اخبار ''سن رائز'' نے اقبال پر تناقض کا الزام عائد کرتے ہوئے لکھا کہ پہلے تو اقبال جماعتِ احمدیہ کی تعریف کرتے تھے لیکن اب اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔ روزنامہ ''اسٹیٹس مین'' میں ایک پارسی نے احتجاج کرتے ہوئے لکھا کہ اسلام نے، مجوسی تہذیب سمیت قدیم تہذیبوں سے استفادہ کیا ہے۔ اقبال کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجوسی تہذیب کا کوئی پہلو قابل تعریف نہیں۔ مذکورہ روزنامے نے اپنے اداریے میں چند اہم سوالات اٹھائے جن کا اقبال کی طرف سے جواب بھی اسی روزنامے میں شائع ہوا۔[۶]

یہ مباحث جاری تھے کہ جواہر لال نہرو نے مرزائیوں کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ ''ماڈرن ریویو'' کلکتہ میں ان کے تین مضامین شائع ہوئے۔ جواب میں علامہ اقبال نے ایک زبردست بیان دیا جس نے آگے چل کر ایک مضمون کی شکل اختیار کر لی اور یہ مضمون ''اسلام اینڈ احمدازم'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ علامہ کے بیان اور اس مضمون کا پس منظر بیان کرتے

ہوئے سید نذیر نیازی نے لکھا ہے کہ مجلسِ احرار اور جماعتِ احمدیہ کے نزاع سے پنجاب کی فضا مکدّر تھی۔ کشمیر کمیٹی کے اندر اور باہر یہ احساس تھا کہ اس کے کچھ عناصر مسئلہ کشمیر کے بجائے اپنے ذاتی اور جماعتی مقاصد کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ اس خیال سے یہ سوال تازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی وحدت کا حفظ و استحکام کس اصول پر ہے۔ لوگ اس سوال کا جواب مذہبی یا سیاسی پہلو سے دیتے تھے جس سے یہ مسئلہ الجھتا چلا گیا۔ اقبال کو مذکورہ بیان (قادیانی اور صحیح العقیدہ مسلمان) دینا پڑا جس میں تشریح کی گئی کہ سیاسی، اجتماعی اور مذہبی اعتبار سے وحدتِ امت کی یہ اساس کس اصول پر ہے۔ اس بیان کا شائع ہونا تھا کہ طرح طرح کے سوال پیدا ہونے لگے اور ملک بھر کے روزناموں اور رسائل و جرائد نے اس پر رائے زنی شروع کر دی۔ یہ اس لیے کہ اقبال نے ایک ایسے نزاع کا سلسلہ جو بظاہر مذہبی عقیدے تک محدود تھا، سیاست و اجتماع سے جوڑ دیا۔ انھوں نے وحدتِ امت کی جو تعبیر کی وہ کانگریس کے ہندی قومیت والے نظریے سے متصادم تھی لہٰذا بیان شائع ہوا تو پنڈت جواہر لال نہرو خاموش نہ رہ سکے۔ ۷ نہرو نے جو سوالات اٹھائے تھے، اقبال نے ایک مضمون میں ان کا جواب دیا۔ ۸ نہرو نے مزید کوئی مضمون نہ لکھا۔ نہرو کے ایک خط کے جواب میں اقبال نے اس بنا پر کہ برطانوی حکومت سے وفاداری کے نظریے کو الہامی تائید فراہم کرنے کی غرض سے احمدیت ظہور میں آئی، قادیانیوں کو اسلام اور ہندوستان دونوں کا غدار قرار دیا۔ ۹

''اسلام اینڈ احمد ازم'' کے جواب میں ''الفضل'' قادیان نے چودہ قسطوں پر مشتمل سلسلۂ مضامین شائع کیا۔ قادیانیوں کے انگریزی پرچے (Review of Religions) کے ایک خصوصی شمارے میں ایک مضمون بعنوان ''ڈاکٹر محمد اقبال اور تحریکِ احمدیت'' شائع ہوا جس میں یہ اعتراض کیا گیا کہ اقبال نے اپنے بیان میں ایسے نظریات پیش کیے جنھیں ان کے مداحوں نے بھی غلط کہا ہے مثلاً اقبال نے کہا ہے کہ غلام قوموں کے انحطاط کے نتیجے میں الہام جنم لیتا ہے۔ اس خیال کو شعر میں یوں باندھا ہے:

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

جبکہ اکثر انبیا کرام محکوم اقوام ہی میں مبعوث کیے گئے۔ نبوت کی صداقت کا معیار حاکمیت یا محکومیت نہیں ہے بلکہ خود الہام کی نوعیت پر ہے۔ ۱۰ اقبال کا مضمون ''جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ فروری ۱۹۳۶ء میں قادیانیوں کے اخبار ''لائٹ'' کے مدیر نے اقبال کی ذات پر حملہ کیا۔ انجمن حمایتِ اسلام میں قادیانی ارکان بھی تھے اور اس وجہ سے انجمن کی ساکھ خراب ہو رہی تھی۔ انجمن کے صدر علامہ اقبال تھے۔ انھوں نے ارکانِ انجمن کو مشورہ دیا کہ مرزائیت کے ضمن میں انھیں اپنی پالیسی واضح کرنی چاہیے اور جب ختم نبوت کے ضمن میں ایک قرار داد پیش کی گئی تو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ (انجمن کے اہم قادیانی رکن) نے جوش میں آ کر اور کھڑے ہو کر کہا: ''مجازی رنگ میں نبی آ سکتا ہے''۔ ڈاکٹر موصوف سے اختلاف کیا گیا اور وہ غصے کی حالت میں اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ نو دن بعد ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعے کو بہانہ بنا کر مدیر ''لائٹ'' نے افتتاحیے میں لکھا:

''ایک بہترین صبح کو ڈاکٹر محمد اقبال نے یہ خیال کیا کہ مرزا یعقوب بیگ کافر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اقبال نے انجمن حمایت اسلام کو چیلنج بھیج دیا کہ مرزا یعقوب بیگ کو الگ کر دیا جائے جیسا کہ وہ اس احسان فراموش اور بے ضمیر کتوں کی جماعت میں بوجہ اپنی شرافت کے رہنے کے قابل نہ تھا۔ خدا نے اس کو اپنی طرف بلا لیا۔ ہم ڈاکٹر اقبال صاحب اور اس کے رہزن گروپ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اب گندا آدمی دنیا میں نہیں رہا اور ڈاکٹر صاحب انجمن کی کرسئ صدارت کو زینت بخشیں۔'' ۱۱

مرزائیت کے خلاف اپنی تحریروں کے باعث علامہ اقبال، بقول ڈاکٹر جاوید اقبال، ''احمدیوں کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے'' ۱۲ چنانچہ اقبال کو ہدفِ تنقید بنایا گیا اور ان کے انہدام کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ اقبال پر قادیانیوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء تک ان کا قادیانیت سے ''گہرا تعلق'' رہا اور وہ انھیں ''مسلمان'' سمجھتے رہے لیکن ۱۹۳۵ء میں ان کی قلب ماہیت ہوگئی اور انھوں نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ یہ اعتراض، گزشتہ نصف صدی کے دوران، بار بار مختلف تفصیلات کے ساتھ دہرایا گیا۔ چنانچہ ''زندہ رود'' کی تصنیف کے دوران شیخ اعجاز احمد نے ڈاکٹر جاوید اقبال کو ایک تحقیقی نوٹ تیار کر کے بھیجا جس میں بارہ دلائل اس ضمن میں ہیں کہ ۱۹۳۵ء کے آغاز تک علامہ اقبال کے نزدیک احمدی دائرہ اسلام سے خارج نہ تھے۔ پھر ان کی رائے میں احمدی جماعت کیوں ایکا ایکی دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہوگئی۔ ۱۳ شیخ اعجاز احمد نے یہ دلائل ''مظلوم اقبال'' میں بھی درج کیے ہیں۔ ان کے خیال میں اقبال کی رائے میں تبدیلی کی ''وجہ کانگریس۔ احرار سازش کے تحت احرار کا دباؤ اور ان کی ریشہ دوانیاں تھیں۔ سازشیوں کی خوش قسمتی سے انھی دنوں ایک ذاتی معاملہ میں علامہ کا احساس محرومی بھی شامل ہو گیا جس کی وجہ سے احمدیت کے خلاف ان کے بیانات میں وہ شدت اور تلخی در آئی جو عام طور پر ان کے شیوہ کے مطابق نہ تھی''۔ ۱۴ شیخ اعجاز احمد کے اس دعوے کا سیر حاصل جواب ڈاکٹر جاوید اقبال نے ''زندہ رود'' میں دیا ہے ۱۵ تاہم شیخ اعجاز احمد نے ''مظلوم اقبال'' میں اس سے کوئی تعرض کیے بغیر اپنے دعوے کو دہرا دیا ہے۔ شیخ عبدالماجد نے ''زندہ رود'' کے متعلقہ مباحث کے جواب میں پوری کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے ''اقبال اور احمدیت۔ زندہ رود پر تبصرہ'' ایک اخبار کے مدیر نے اپنے تبصرے میں، جو کتاب میں شامل ہے، ڈاکٹر جاوید اقبال کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی کتاب کے ''اقبال اور احمدیت'' سے متعلقہ حصوں پر نظر ثانی کریں یا پھر شیخ عبدالماجد کی تحریر کا جواب لکھیں۔ ۱۶ ڈاکٹر جاوید اقبال نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا۔ البتہ ڈاکٹر وحید عشرت نے شیخ موصوف کی کتاب پر قلم اٹھایا۔ ہفت روزہ ''مہارت'' میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ شیخ عبدالماجد نے جوابی مضامین لکھے۔ دونوں صاحبان کا ''مہارت'' کے صفحات پر معرکہ گرم رہا۔ اس سلسلے کے اپنے آخری مضمون کے ذریعے جھوٹ سچ کا فیصلہ دنیا پر چھوڑتے ہوئے، ڈاکٹر وحید عشرت نے بحث کو بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس بحث سے شیخ عبدالماجد کو یہ فائدہ ہوا کہ انھوں نے ''فکرِ اقبال اور تحریکِ احمدیہ'' کے نام سے ایک اور کتاب تیار کر لی جس کے متعدد ابواب ''اقبال اکیڈمی کے پی ایچ ڈی محقق کے شکوک کے ازالہ'' کے عنوان سے شاملِ کتاب ہیں۔ ۱۷

ڈاکٹر وحید عشرت ''اقبال اور احمدیت'' پر گہری نگاہ ڈالتے تو قدم قدم پر ''جھوٹی نبوت'' کی طرح ''جھوٹی تحقیق'' عیاں ہو جاتی۔ ۱۸

شیخ عبدالماجد نے اقبال کے خاندانی پس منظر کو احمدیت سے منسوب کیا ہے۔ ایک طرف عیسائی اقوام کو یاجوج ماجوج قرار دیا ہے اور دوسری طرف انگریز حکمرانوں سے مرزا غلام احمد کی وفاداری کو جائز قرار دیا ہے۔ اس جواز کے لیے ''علامہ اقبال اور انگریز حکمران'' کے عنوان سے ''انگریزی حکومت سے اقبال کی وفاداری کا پینتیس سالہ ریکارڈ'' پیش کیا ہے۔ ''اقبال نئے مسیحا کی آمد کے متمنی تھے'' اور ''علامہ نے احمدیوں کے خلاف ۱۹۳۵ء سے قبل زبان کیوں نہ کھولی؟'' جیسے عنوانات بھی قائم کیے ہیں۔ آخری باب میں اقبال کی شخصیت پر اعتراضات ہیں اور اس ضمن میں سردار عبدالقیوم کے تاثرات بھی بیان کیے ہیں۔ ''فکرِ اقبال اور تحریکِ احمدیہ'' کے سرورق پر ''موافقت چالیس سال۔ مخالفت تین سال'' اور ''علامہ اقبال کی برطانیہ سرکار کے ساتھ وفاداریاں'' جیسے عنوانات بھی قائم کیے ہیں۔ بیسویں باب میں ''دنیا بھر کے ماہرین اقبالیات کو ''دعوتِ تحقیق'' دی ہے اور یوسف سلیم چشتی کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ ''اقبال ۱۹۱۱ء تک کٹر مرزائی اور مرزا صاحب کے مخلص متبع تھے۔'' ۱۹

اقبال کا ''احمدیت سے گہرا تعلق'' ثابت کرنے کے لیے شیخ عبدالماجد نے زورِ تحقیق صرف کیا ہے۔ اس سے پہلے شیخ عبدالمالک اور شیخ نور احمد منیر، وغیرہ بھی یہ موقف پیش کر چکے تھے۔ اس کا ایک مقصد تو مرزائیت کو تقویت پہنچانا ہے اور دوسرا مقصد علامہ اقبال کو مسلمانوں کی نگاہوں میں گرانا ہے۔ اقبال کی شخصیت اور افکار پر اعتراضات کا بھی یہی مقصد ہے۔ اقبال کو مفکر و مصورِ پاکستان کے اعزاز سے محروم کرنے کی کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ شیخ عبدالماجد کا دعویٰ یہ ہے کہ خطبہ الٰہ آباد امام جماعت احمدیہ کی ۱۹۲۸ء میں پیش کی گئی ''کامل خود اختیاری'' کی تشریح و تعبیر ہے اور یہ کہ اس کا تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں۔ انھوں نے ایک عنوان یہ قائم کیا ہے:

> ''خطبہ الٰہ آباد کا تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں''۔ ''حضرت امامِ جماعتِ احمدیہ کی تجویز'' کے زیرعنوان لکھا ہے: ''پانچ مسلم صوبے فیڈریشن کے اصول پر ہندوستان سے ملحق رہیں اور ہندو صوبے مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت رہیں۔'' ۲۰

پروفیسر کے کے عزیز نے یہ ثابت کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے کہ تصورِ پاکستان اقبال کا نہیں ہے۔ موصوف کا قادیانیت کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا نہیں اس ضمن میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اقبال کو منہدم کرنے کا ان کا جذبہ البتہ بہت قوی ہے۔ ''لبرٹی'' کے مدیر انور شیخ کے دین و ایمان کا بھی پتا نہیں چلتا۔ انھوں نے اپنے مضمون ''اقبال غارت گر ملت'' میں ہندی قومیت کی حمایت کی ہے اور علامہ اقبال کے کردار کی دو خصوصیات متعین کی ہیں۔ ایک ''ہندو دشمنی'' اور دوسری ''مرزا غلام احمد قادیانی سے رقابت اور جنونِ خود نمائی'' ۲۱ انور شیخ نے کہیں بھی مرزا غلام احمد کے نام کے ساتھ ''حضرت'' قسم کا لفظ نہیں لکھا تاہم مذکورہ مضمون کا ماخذ قادیانی لٹریچر خصوصاً شیخ عبدالماجد کی کتاب ''اقبال اور احمدیت'' ہے۔ دونوں شیوخ میں فرق یہ ہے کہ انور شیخ نے اقبال کے خلاف دریدہ دہنی سے کام لیا ہے۔ ''لبرٹی'' کے ایک اور مضمون نگار محمد احمد جامی نے ''اقبال۔ ایک متنازعہ شخصیت'' کے زیرعنوان ''الفضل'' کے حوالے سے کے کے عزیز کا ایک بیان نقل کیا ہے۔ انھیں شکایت یہ ہے کہ کوتاہ بین حضرات کوئی ایسی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتے جو انھیں علامہ اقبال اور قائداعظم کے ضمن میں بے علمی یا اندھی عقیدت کے باعث ناپسند ہو۔ انھوں نے اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لیے کے کے عزیز کا بیان نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں: